مطالعاتِ رومی اور این میری شمل

ڈاکٹر محمد جاوید
مدیر یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

RUMI STUDIES AND ANNEMARI SCHIMMEL

Muhammad Javed, PhD
Editor
University Oriental College, Lahore

Abstract

Annemarie Schimmel was a renowned orientalist of 21st century. She was inclined to learning classical Oriental languages like Arabic and Persian at the very young age. Later she proved to be a polyglot and prolific writer of international repute. She wrote on multiple topics but Islamic Sufism was her main forte. Schimmel dedicated a better part of her life for reading, researching and writing on the great Sufi poet of Islam Maulana Rumi. She wrote 16 books and 49 articles on Rumi in different languages. The Triumphal Sun is her well known compendious work in which she successfully presented the life, art and thought of Maulana Rumi. This book is considered one of the best works on Rumi Studies. This article focuses Schimmel's devotion to Rumi Studies in light of her writings.

Keywords

مولانا جلال الدین رومی، این میری شمل، شمس تبریزی، علامہ اقبال، حسن لاہوتی، جلال الدین آشتیانی، لاہور، پاکستان

مولانا جلال الدین رومیؒ ان نابغۂ روزگار ہستیوں میں سے ایک ہیں جن سے مسلم فکر و دانش کی کہکشاں ترتیب پاتی ہے۔ پورب پچھم اور مسلم غیر مسلم میں یکساں مقبول رومیؒ کا شمار ان خوش نصیبوں میں ہوتا ہے جن کی تحسین و تعریف کا سلسلہ ان کی زندگی ہی میں شروع ہو گیا تھا اور آج تک برابر جاری ہے۔ آپ کی ذاتِ گرامی عربی مقولے قَلَّمَا یَجُوْدُ بِهِ الزَّمَانُ کے مصداق ہے۔ آپ کے کلام و افکار نے ایک زمانے کو اپنے سحر میں لے رکھا ہے۔ مولانا اپنے وقت کے ایک متبحر عالم تھے۔ نظم و نثر دونوں میں رواں تھے۔ ان کے شعری آثار بالخصوص مثنوی ان کی شہرت کا بنیادی حوالہ ہے۔ مثنوی ان کے دور ہی سے مقبول چلی آ رہی ہے۔ اسی مقبولیت کے پیش نظر دنیا کی کئی زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔ اردو زبان میں بھی اس کے ایک سے زیادہ ترجمے ہو چکے ہیں۔ اردو کی ایرانی سکالر ڈاکٹر معصومہ غلامی نے مثنوی کے انتیس منظوم و منثور تراجم کی نشان دہی کی ہے۔ ان کے مطابق ”راقمہ نے مثنوی کی اس مقبولیت و افادیت کے پیش نظر اس الہامی کتاب کے اردو تراجم اور شروح کا سراغ لگایا۔ اس تحقیق کے دوران مجھے مثنوی کے ۱۴ منظوم تراجم، ۱۹ منثور تراجم اور ۱۶ اردو شرح کے نام مل گئے، البتہ یہ فہرست نامکمل ہے اور اس میں اضافے کے امکانات موجود ہیں۔“(۱)

مثنوی علم و معرفت کا بہت بڑا خزانہ ہے۔ اس میں مولانا رومیؒ نے نظم کے پیرائے میں علم و عرفان کے دریا بہائے ہیں۔ مثنوی کے اشعار کے بارے میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد استعلامی ایران کے معروف رومی شناس ہیں۔ انھوں نے مثنوی کی متنی تنقید پر گراں بہا کام کیا ہے نیز مثنوی کے اشعار کی تعیین بھی کی ہے۔ ڈاکٹر غلامی کے بقول ڈاکٹر محمد استعلامی نے مثنوی معنوی کی متنی تنقید کر کے ایک صحیح نسخہ فراہم کرنے کا دشوار فریضہ سرانجام دیا ہے۔ انھوں نے تدوین کے ساتھ ساتھ مثنوی کی شرح بھی لکھی ہے۔ اس رومی شناس محقق کے مطابق مثنوی معنوی کے کل اشعار کی تعداد ۲۵۶۸۵ ہے۔(۲) دیوانِ کبیر یا دیوانِ شمس کے نام سے مولانا رومیؒ کا ایک اور شعری مجموعہ ہے۔ یہ دیوان، رومیؒ کے دوست اور مرشد شمس تبریزیؒ کے نام سے معروف ہے۔ اس کا نام دیوانِ شمس اس لیے معروف ہوا کیوں کہ مولانا رومیؒ نے اس مجموعے کی اکثر غزلوں کے مقطع میں اپنے نام کی بجائے اپنے مرشد شمس کا نام ذکر کیا ہے۔ یہ مجموعہ غزلوں اور رباعیوں پر مشتمل ہے اور اس کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار ہے۔ یوں تو رومیؒ نے اپنے تمام کلام کو جگہ جگہ قرآنی آیات، احادیث نبوی، عربی امثال اور عربی اشعار سے سجایا ہے، مگر ان کے عربی زبان و ادب سے گہرے شغف کا اظہار سب سے زیادہ دیوان ہی میں ہوا ہے۔ چناں چہ دیوان میں کہیں ایک مصرع فارسی میں اور دوسرا عربی میں ہے، کہیں دونوں مصرعے عربی میں، بعض غزلیں تو پوری کی پوری عربی میں ہیں۔ دیوان کا تصحیح شدہ نسخہ انتشارات فردوس تہران۔ ایران سے شایع ہو چکا ہے۔(۳)

رومیؒ کے نثری کلام میں ان کی کتاب ”فیہ مافیہ“ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس کتاب کے مشمولات کو آپ کے شاگردوں اور مریدوں نے مرتب کیا۔ یہ دراصل آپ کے خطبات و ارشادات نیز آپ

سے استفسار کردہ سوالوں کے جوابوں پر مشتمل خزانۂ معرفت ہے۔ فیہ مافیہ کا اردو میں ملفوظاتِ رومی کے عنوان سے ترجمہ ہو چکا ہے۔ مترجم نے ملفوظات کے پیش لفظ میں یہ اطلاع بہم پہنچائی ہے کہ 'فیہ مافیہ' کوئی با قاعدہ تصنیف نہیں۔ یہ دراصل مولانا روم کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ آپ کے تبحر علمی کی شہرت آپ کے حینِ حیات ہی میں دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ نزدیک و دور سے اہلِ علم آپ کی مجلس میں کھنچے آتے اور اپنے اپنے مسائل پیش کرتے۔ مولانا ان مسائل پر روشنی ڈالتے جس سے نہ صرف سائل ہی مطمئن ہوتا بلکہ دوسرے حاضرین مجلس بھی بہت کچھ استفادہ کرتے۔ ان علمی مجالس میں مولانا جو ارشادات فرماتے آپ کے صاحبزادے سلطان بہاؤالدین انھیں محفوظ کر لیتے۔ 'فیہ مافیہ' انھی ارشادات گرامی کا مجموعہ ہے۔ ان ملفوظات میں مولانا کا تخاطب زیادہ تر آپ کے ایک خاص مرید معین الدین پروانہ سے ہے، جو وزیر سلطنت تھے۔ لیکن ان کے علاوہ دوسروں کی طرف بھی روئے سخن ہے۔ (۴) اسی طرح آپ کے ان خطبوں کا مجموعہ جنھیں مجالس سبعہ یا ہفت خطابہ کہا جاتا ہے، مرتب ہو کر شایع ہو چکا ہے۔ ان خطبات کا رنگ عوامی ہے۔ یہ خطبات قرآنی آیات، احادیث رسول، صوفیانہ افکار بالخصوص سنائی و عطار کے اشعار، حکایتوں اور تمثیلوں سے مزین ہیں۔ (۵)

مولانا رومیؒ متداول علوم کی تحصیل کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو گئے تھے۔ مگر شمس تبریزی سے ملاقات ان کی زندگی میں ایک بہت بڑے انقلاب کا سبب بنی۔ شمس سے ملنے کے بعد ان کا زیادہ تر رجحان تصوف کی طرف ہو گیا۔ ہر دو ادوار یعنی زمانۂ تدریس اور زمانۂ تصوف میں ان کا عوام سے رابطہ منقطع نہ ہوا۔ وہ دنیاوی آلائشوں سے دور ضرور رہے مگر انھوں نے لوگوں سے ملنا جلنا موقوف کیا اور نہ ہی وہ جنگلوں کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ انھوں نے بھرپور عوامی زندگی گزاری۔ لوگوں کو وعظ و نصیحت کے ساتھ ساتھ ان کے دکھ درد میں شریک ہوئے۔ ان کے مسائل کے حل کے لیے جو بن پڑا، کیا۔ ان کی زندگیوں میں آسودگی کی خاطر حکومتی شخصیات کو خطوط تک لکھے۔ مولانا رومیؒ کے لکھے مکاتیب بھی شایع ہو چکے ہیں۔ یہ خطوط رومی شناسی میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ (۶)

O

این میری شمل کا نام مشرقی علوم و معارف پر تحقیق و تصنیف کے حوالے سے کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ وہ ۷، اپریل ۱۹۲۲ء کو جرمنی کے شہر 'ارفرٹ' میں پیدا ہوئیں۔ ان کی تربیت ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جہاں فلسفیانہ و عارفانہ موضوعات زیر بحث آتے تھے جن میں اُن کے والد پال شمل خصوصی دل چسپی لیتے تھے۔ شمل میں مشرقی زبانوں اور اسلامی علوم و فنون کی طرف میلان اوائل عمری ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ لہٰذا اُنھوں نے مختلف اساتذہ سے عربی، فارسی اور ترکی زبانیں سیکھیں۔ یوں اسلامی علوم و معارف کے دروازے اُن کے سامنے کھلتے گئے۔

این میری شمل نے ۱۹۴۱ء میں پی ایچ ڈی مکمل کی اور وزارت خارجہ میں بطور مترجم مقرر ہوئیں۔

کچھ عرصہ یہاں ملازمت کے بعد 'ماربورگ' یونیورسٹی کے شعبہ شرقیات میں مدرس متعین ہوئیں۔ یہاں انھوں نے عربی، ترکی، فارسی زبانوں کے ساتھ ساتھ تاریخ ادب اسلامی اور اسلامی فنون کی تدریس کی نیز تاریخ ادیان کے موضوع پر دوسری پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی۔

این میری شمل ترکی زبان وادب کی نہ صرف شناور تھیں بلکہ ایک طویل عرصے تک ترکی میں تعلیم وتدریس سے وابستہ بھی رہیں۔ وہ ۱۹۵۲ء میں استنبول آئیں۔ قیام ترکی کے زمانے میں انھیں مولانا رومیؒ کی درگاہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوتا رہا۔ وہ ۱۹۵۴ء میں انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات میں بطور مہمان استاد مقرر ہوئیں اور یہاں انھوں نے تاریخ ادیان کے موضوع پر پانچ سال درس وتدریس کا فریضہ سرانجام دیا۔ ۱۹۵۷ء میں علامہ اقبال کی مشہور کتاب 'جاوید نامہ' کا مفصل شرح کے ساتھ ترکی زبان میں ترجمہ کیا۔ قیام ترکی نے انھیں مسلمان ترکوں سے گھل مل جانے، اُن کی ثقافت کا مطالعہ کرنے اور عظیم اسلامی روایات کو سمجھنے اور اُن کی تہہ تک اترنے کا بھرپور موقع فراہم کیا۔

شمل نے اپنے علمی وتحقیقی منصوبوں کے سلسلے میں بہت سے مشرقی ممالک کا سفر اختیار کیا اور مولانا رومی، یونس ایمرے، حافظ، فضولی اور علامہ اقبال جیسی بڑی ہستیوں کو اِس کٹھن سفر میں اپنے لیے مشعل راہ بنایا۔ ۱۹۵۹ء میں اپنے وطن مالوف ماربورگ کو واپسی کے بعد انھیں وہ مقام اور وہ ماحول میسر نہیں آیا جو ۱۹۵۲ء میں ترکی آمد سے پہلے اُنھیں حاصل تھا۔ بہ الفاظ دیگر اسلامی ثقافت کے زیر اثر گزرے کئی سالوں میں شمل اور ان کے ابنائے وطن کا چلن سراسر مختلف ہو چکا تھا۔ اب اُن سے اہل مغرب کا رویہ بھی بدل گیا تھا۔ اِس بار مغرب کی سرزمین اُنھیں راس نہیں آ رہی تھی۔ رویے کی اِس تبدیلی کے پس منظر میں دین اسلام اور اسلامی ثقافت کے ساتھ مغربی دانشوروں کا تعصب تھا جب کہ مستشرقین کی عام روش کے برعکس شمل بطور مجموعی ایک معتدل اسکالر تھیں۔ (۷) یوں تو وطن واپسی کے بعد مغربی دانشوروں کے متعصّبانہ رویوں کی وجہ سے اُن کی زندگی میں طرح طرح کی مشکلیں پیدا ہوئیں اور آخر یہ تعصب انھیں کئی سال تک تدریسی فرائض سے محروم کرنے کا باعث بھی بنا، اب وہ بے روزگار بھی تھیں۔ اِس بے چینی کے عالم میں انھوں نے ایک بار پاکستان نقل مکانی کا بھی سوچا، لیکن بون یونیورسٹی میں ترکیات کے استاد ڈاکٹر اوٹو سپائیز جن سے ان کی ۱۹۵۸ء میں کراچی میں ملاقات ہوئی تھی، کی دعوت پر ۱۹۶۱ء میں بون آ کر قیام پذیر ہوئیں اور ۱۹۶۶ء کے اواخر تک اِسی شہر میں رہیں۔ وہ بون یونیورسٹی میں عربی، فارسی، ترکی، تاریخ ادیان، تصوف اور تاریخ اسلام کے موضوعات پر درس دیتی رہیں، دنیا بھر سے آنے والے طلبہ ومحققین کا آپ نے اِسی شہر میں خیر مقدم کیا اور اپنی کئی کتابیں اور مقالے اِسی شہر میں لکھے۔

ایک طرف درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا تو دوسری طرف شمل نے پاکستان سمیت اسلامی ملکوں میں منعقدہ کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت بھی جاری رکھی۔ اِس ضمن میں انھوں نے متعدد بار

پاکستان کا دورہ کیا۔ پاکستان اور علامہ اقبال سے انھیں گہرا لگاؤ تھا۔ چناں چہ علامہ اقبال سے عقیدت ومحبت کا رشتہ اُنھیں کھینچ کھینچ کر پاکستان لایا۔

شمل نے ہارورڈ یونیورسٹی، امریکہ کی طرف سے ۱۹۶۶ء میں منعقدہ تاریخ ادیان کانفرنس میں شرکت کی۔ یہاں انھیں تاریخ وثقافت مسلمانان پاک وہند کے متعلق ایک چیئر قائم کرنے کی پیش کش ہوئی جب کہ شمل یہ چیئر بون یونیورسٹی، جرمنی میں قائم کرنا چاہتی تھیں۔مگر اُس دور میں مغرب کے تعلیمی اداروں میں خواتین اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ نہیں کرسکتی تھیں۔ایک عورت کے لیے کسی چیئر کی سربراہی خواب تھی۔ یوں اُن کی راہ میں عورت ہونا بھی رکاوٹ بنا۔ چناں چہ انھوں نے ۱۹۶۷ء میں اِس دعوت کو قبول کرتے ہوئے امریکہ کی راہ لی اور یہاں پر۱۹۹۲ء میں اِس عہدے سے سبکدوش ہونے تک ۲۵ سال تاریخ وثقافت مسلمانان پاک وہند کے موضوع پر درس دیتی رہیں۔شمل نے بعد میں یہاں قیام کو اپنی روح کے لیے "غربت الغربیہ" کے نام سے موسوم کیا۔تیس کے قریب انعامات، سو سے زائد کتابیں اور لاتعداد مقالے لکھنے والی اس ذہین وفطین سکالر نے ۲۶ جنوری ۲۰۰۳ء میں جرمنی ہی میں وفات پائی۔

شمل کو صوفیانہ ادب سے گہرا لگاؤ تھا۔ ان کی کتابوں اور ترجموں (جرمن اور انگریزی میں) کی تعداد ۱۰۰ کے قریب ہے۔ان میں سے زیادہ تر کتابیں اسلام کی صوفی روایت، جرمنی اور جنوب ایشیائی برصغیر سے ثقافتی تعلقات، جرمن ادب کی شرق شناسی تحریک کے نمایاں افراد: گوئٹے، فریڈرخ روکرٹ اور مولانا جلال الدین رومی کے متعلق ہیں۔(۸)

شمل کو مسلمان ملکوں بالخصوص ترکی میں تدریسی خدمات انجام دینے نیز پاکستان وایران اور دنیا بھر کے سرکردہ مسلمان سکالروں سے میل ملاقات کے وافر مواقع میسر آئے۔ان کے اپنے قول کے مطابق ”میں پہلی بار انقرہ میں ۱۹۵۳ کے موسم گرما میں گئی۔۱۹۵۹ء میں شعبے سے رخصت ہوتے وقت میں ترکی مسلسل آتی جاتی رہی۔۱۹۹۶ء میں مجھے ترکی نے آرڈر آف میرٹ برائے آرٹس وسائنس عطا کیا۔“(۹) ذاتی مطالعے اور مسلمانوں سے براہِ راست میل ملاقات کی وجہ سے مستشرقین کا روایتی تعصب ان میں نام کو بھی نہیں تھا۔شمل نے ایک معتدل مستشرقہ کی حیثیت سے شہرت پائی اور پاکستان سمیت کئی مسلم ممالک کے قومی اعزازات سے سرفراز ہوئیں،حتیٰ کہ ڈاکٹریٹ کی پہلی اعزازی ڈگری بھی انھیں پاکستان ہی سے ملی۔ان کے اپنے بیان کے مطابق:

> ”۔۔۔اس کا نقطۂ کمال مجھے حیدرآباد یونیورسٹی کی طرف سے اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری دیا جانا تھا۔ یہ میری زندگی کی پہلی اعزازی ڈگری تھی۔اس کے بعد مجھے پشاور اور اسلام آباد یونیورسٹی کی طرف سے بھی اعزازی ڈگریوں سے نوازا گیا۔“(۱۰)

این میری شمل کو اسلامی ملکوں سے بالعموم اور پاکستان سے بالخصوص لگاؤ تھا۔اس کی کئی وجوہات میں سے سرفہرست علامہ اقبال کا اس ارض پاک سے ہونا ہے۔انھیں پاکستان سے اتنی محبت تھی کہ انھوں نے

ہمیشہ اسے اپنا دوسرا گھر ہی سمجھا۔ پھر شمل کو پاکستان سے محبتیں بھی بہت ملیں۔ انھیں پاکستان کے نئے دارالحکومت یعنی اسلام آباد کا اس وقت اعزازی شہری قرار دیا گیا جب ابھی یہ شہر قائم بھی نہیں ہوا تھا۔ اس بارے میں وہ خود کہتی ہیں:

''میرا پہلا دورہ بہار ۱۹۵۸ء میں ہوا، اب یہ ایک خواب لگتا ہے: ۱۹۹۸ء میں میری چالیسویں جوبلی منائی گئی۔ اس موقع پر دوسرے اعزازات کے ساتھ ساتھ مجھے اسلام آباد کا اعزازی شہری بنایا گیا جب کہ اسلام آباد اس وقت تک ابھی پلان بھی نہیں ہوا تھا۔'' (۱۱)

مزید لکھتی ہیں:

''ان برسوں میں ایک رشتہ استوار ہوا، جس کے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ اس نے بعدازاں میری زندگی کو ایک رخ دے دیا۔ میں کچھ دیر کے لیے محمد اقبال کی شاعری پڑھتی رہی۔ محمد اقبال پاکستان کے روحانی باپ ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں، میں نے ان کے سب سے عظیم فارسی کلام جاوید نامہ کا ترجمہ کیا۔ جاوید نامہ مولانا رومی کی معیت میں شاعر کے آسمانی سفر کے متعلق ہے۔'' (۱۲)

مولانا رومیؒ ایسے باکمال اور کثیرالجہت نادرۂ روزگار کے بارے میں لکھنا کہ مذکورہ ہستی کے حیات وافکار کی عملی تصویر کھنچ جائے، آسان کام نہیں ہے۔ این میری شمل نے اپنی کتاب بہ عنوان:

The Triumphal Sun-A Study of the Works of Jalaloddin Rumi

میں یہ کارنامہ کر دکھایا ہے۔ (۱۳) اس کتاب کو حیات و آثارِ رومیؒ پر جدید اصطلاح میں ایک مکمل پیکیج (A Complete Package) قرار دیا جا سکتا ہے۔ احسان یارشاطر نے شمل کے مطالعاتِ رومی سے شغف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ پروفیسر این میری شمل کا شمار اسلامی تصوف کی نمایاں اور عالمی سطح کی جانی مانی سکالر کے طور پر ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ مسلم دنیا کے مختلف ادبیات کی بھی مسلمہ سکالر ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ رومیات کے مطالعہ کے لیے وقف کیے رکھا اور مولائے رومؒ کے چشمۂ نظمیات سے خوب خوب سیراب ہوئیں۔ انھوں نے مسلم تصوف اور فارسی شاعری کے اپنے گہرے ادراک کو رومیؒ کے تصورات وخیالات اور ان کے جمالیاتی شعور، ان کی عام آدمی کو راہ تصوف کی طرف رہنمائی کے لیے پرجوش وابستگی کی دریافت میں برتا۔ تصوف اور فارسی شاعری کے تمام طلبہ پروفیسر این میری شمل کے ممنونِ احسان ہیں کہ انھوں نے ایک منفرد انسان کی زندگی، خیال اور شعری تمثیل نگاری کو واضح کیا۔ (۱۴)

شمل نے اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ مطالعۂ رومیؒ کے لیے وقف کیا۔ کئی عشروں پر محیط اپنے مطالعے اور مشاہدے کو جامعیت کے ساتھ اپنی کتاب The Triumphal Sun میں بیان کر دیا ہے۔ یہ کتاب چار حصوں اور چوبیس مباحث میں منقسم ہے۔ آغاز میں رومیؒ کا ایک جامع سوانحی خاکہ ہے۔ یہ

تحقیقی اسلوب کی حامل کتاب ہے جس میں ضروری حوالوں اور حواشی کا اہتمام کیا گیا ہے۔کوئی بیان حوالے کے بغیر نہیں ہے۔مصادر و ماخذ کی فہرست بھی شاملِ کتاب ہے۔رومیؒ کے حیات و آثار پر اب تک بے شمار کتابیں مختلف زبانوں میں شایع ہو چکی ہیں۔انگریزی زبان میں شمل کی اس کتاب سے اچھی اور جامع کوئی کتاب اب تک سامنے نہیں آئی۔شمل کی مادری زبان انگریزی نہیں جرمن تھی۔یہ کتاب انھوں نے انگریزی میں لکھی۔چوں کہ انگریزی ان کی تحصیلی زبان تھی،اس لیے اس کتاب میں اہل زبان والا لطف بہر حال مفقود ہے۔کتاب میں جگہ جگہ طویل جملے ہیں اور بعض جگہوں پر اتنے طویل ہیں کہ ایک جملہ پیرا گراف کی شکل اختیار کر گیا ہے۔کتاب کی تالیف کے وقت شمل کے ذہن میں یقیناً مغربی قاری رہا ہوگا۔اس لیے انھوں نے رومیؒ کے شعری آثار کے فقط انگریزی ترجمے دیے ہیں۔اسی طرح قرآن پاک کی آیات،احادیث نبوی اور دیگر فارسی شعری و نثری آثار کے انگریزی تراجم ہی پر اکتفا کیا ہے۔

ڈاکٹر شمل کو مولانا رومیؒ کے حیات و آثار بالخصوص ان کے کلام و افکار سے اس قدر دلچسپی تھی کہ متصوفانہ تحریروں کے لیے مولانا رومیؒ ان کے لیے مرکزی موضوع کی حیثیت رکھتے تھے۔چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا رومیؒ واحد صوفی شخصیت ہیں جن پر انھوں نے سب سے زیادہ لکھا۔مختلف زبانوں میں رومیؒ پر ۱۶ کتابیں اور ۳۷ کے قریب مقالے لکھے۔ان میں آپ کی کتاب The Triumphal Sun کو بے حد پذیرائی ملی۔اس کتاب کے ذریعے انگریزی دان دنیا کو فکرِ رومی سے قریب تر آنے کا موقع ملا۔یہ کتاب بے پناہ مقبولیت کی بنا پر فارسی کے بعد اردو میں بھی ترجمہ ہو چکی ہے۔فارسی میں اس کا ترجمہ حسن لاہوتی نے بہ عنوان شکوہ شمس کیا ہے۔سخن مترجم کے عنوان سے لاہوتی نے گیارہ صفحوں پر محیط مقدمہ لکھا ہے جب کہ سید جلال الدین آشتیانی نے اس کا مفصل دیباچہ تحریر کیا ہے جو ۶۸ صفحوں پر مشتمل ہے۔دیباچہ سات حصوں میں منقسم ہے اور آخر میں خاتمہ دیباچہ بھی دو حصوں پر مشتمل ہے۔شکوہ شمس ایران سے شایع ہوئی۔(۱۵)اردو ترجمہ ڈاکٹر جاوید مجید نے 'نیر تاباں مولائے رومؒ' کے نام سے کیا ہے جب کہ اس کا جامع مقدمہ معروف رومی شناس ترک سکالر ڈاکٹر درمش بلگر نے لکھا ہے۔یہ ترجمہ ۲۰۱۷ میں لاہور سے شایع ہوا۔(۱۶)

ڈاکٹر شمل نے اپنی مذکورہ بالا کتاب کا بہت پُر مغز پیش لفظ لکھا ہے جس میں انھوں نے اپنے مطالعاتِ رومی کے سفر کی روداد قلم بند کرتے ہوئے انتہائی قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ان کے لکھے پیش لفظ کی وقعت و اہمیت کے پیش نظر آخر میں اس کا اردو ترجمہ پیش ہے۔

O

۔۔۔رومیؒ کی فکر اور شاعری مغرب میں پہلے سے کہیں زیادہ نمایاں ہوئی ہے۔ولیم سی چیٹک نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا عنوان ہے The Sufi Path of Love۔یہ کتاب قاری کو اس عظیم صوفی شاعر کے نظامِ فکر سے نہ صرف متعارف کرواتی ہے بلکہ قابل قدر تازہ تراجم بالخصوص مثنوی کے تراجم،بھی پیش

کرتی ہے۔ یہ تراجم مثنوی کے تدوین کار آر۔اے نکلسن کے تراجم سے کہیں اچھے ہیں۔ان کے تراجم شاید تبحر عالم ہونے کی بنا پر ثقیل اور یقینی طور پر غیر شعری ہیں۔

جس سال میری کتاب The Triumphal Sun چھپی اسی سال میری دوسری کتاب Ich bin wind und du bist Feuer جرمن زبان میں کولون (اب میونخ) کے ڈیڈریشز پبلشنگ ہاؤس سے شایع ہوئی۔گذشتہ برسوں میں یہ کتاب کئی بار اشاعت پذیر ہو چکی ہے۔دس سال بعد اسی اشاعتی ادارے نے رومیؒ کی **فیہ ما فیہ** کا میرا جرمن ترجمہ بعنوان Von allem und von Einen شایع کیا۔ ڈاکٹر شمس انوری الحسینی کی خطاطی بھی اس کتاب میں شامل تھی۔۱۹۹۲ء میں میری ایک اور کتاب شمبھلہ بوسٹن سے شایع ہوئی۔اس کا عنوان جرمن کتاب والا ہی ہے' میں ہوا اور تم آگ ہو' یہ بالکل مختلف کام ہے۔چند مہینے پہلے شمبھلہ نے دیوان کے میرے مترجمہ اشعار بعنوان Look This is Love! شایع کیے۔اس میں انگرڈ سچر کی بنائی ہوئی درویشوں کی عمدہ تصویریں بھی ہیں۔۱۹۸۶ء میں UCLA میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس کا عنوان تھا: Levi Della Vida۔ہم اس کانفرنس کی روداد چھپنے کے منتظر ہیں۔ مولانا رومیؒ کے آثار و اثرات پر یہ خصوصی کانفرنس تھی۔ولیم سی چیٹک، جے سی برگال، وکٹوریہ ہالبروک، مارگریٹ اے ملز اور دیگر مشہور رومی شناسوں نے اس کانفرنس میں مقالے پڑھے تھے۔ناگزیر وجوہات کی بنا پر اس روداد کی اشاعت کو اچھی خاصی تاخیر ہو چکی ہے۔رومیؒ کے حوالے سے کئی مضامین پچھلے برسوں میں سامنے آئے ہیں۔ان میں سے چند The Heritage of Medieval Persian Sufism میں چھپ چکے ہیں۔ان مقالات کو لیونارڈ لیوزون نے جمع کیا ہے۔مقالات کا یہ مجموعہ لندن اور نیویارک سے ۱۹۹۲ء میں شایع ہوا۔یہ مقالے ۱۹۹۰ء میں لندن میں منعقدہ سمپوزیم کا حاصل ہیں۔یورپی شاعروں کے رومیؒ کے کلام کے آزاد تراجم نیز آزاد تضمینیں بھی سامنے آئی ہیں، مگر فارسی زبان اور اسلامی ثقافت سے عدم واقفیت کی بنا پر یہ کوششیں پھیکی ہیں۔

اس فعال سرگرمی کے باوجود رومیؒ ورثے کے بہت سے پہلوؤں پر تحقیقی کام ہونا ابھی باقی ہے۔ ان میں سے ایک پہلو مولانا کی عربی شاعری کا جامع مطالعہ ہے۔یہ شاعری بہت عمدہ ہے۔اس بات کا تجزیہ ہونا باقی ہے کہ کیسے مولانا رومیؒ اپنی فارسی شاعری میں بغیر تکلف کے قرآن وحدیث سے اقتباس کرتے ہیں۔عربی شاعر متنبّی کا ان پر جو قابل ذکر اثر تھا اس کی نشان دہی باقی ہے۔مولانا رومیؒ پر کام کے یہ تمام پہلو اسی موضوع یعنی عربی شاعری کی ذیل میں آتے ہیں۔تحقیق کا ایک اور پہلو رومیؒ کی شاعری پر خاقانی کا اثر بھی ہو سکتا ہے خواہ ایک مضمون کی صورت میں ہی سہی۔اس طرح تحقیق کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ برصغیر کی اسماعیلی برادری مولانا رومیؒ اور شمسؒ کے درمیان تعلق کو کیسے دیکھتی ہے؟ شمس تبریزی اور پیر شمس ملتانی کے درمیان پراسرار تعلق (یا جیسا کہ بعض لوگوں کا ماننا ہے، شناخت) بہت سی بحثوں کا موضوع رہا ہے۔مرحوم سلطان محمد

آغا خان سوم کے فرامین کا مطالعہ بھی بہت مفید ہے جس میں انھوں نے اپنی کمیونٹی کو رومیؒ کی مثنوی کا احتیاط سے مطالعہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔

حالیہ برسوں میں رومیؒ کے پس منظر کے حوالے سے سب سے اہم تالیف سوئٹزر لینڈ کے اَن تھک سکالر فرز مئیر کی بھاری بھرکم کتاب ہے جس کا نام بہائے ولد ہے۔ یہ لائیڈن سے ۱۹۸۹ء میں شایع ہوئی۔ یہ کتاب مولانا رومیؒ کے والدِ گرامی کے حیات و آثار کا قابل قدر تجزیہ ہے۔ یہ مولانا رومیؒ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں معتبر معلومات کی حامل ہے۔ میئر کی تحقیقات ہماری اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں تبدیلی کی متقاضی ہیں۔ خلاصۃً یہ کہ بہائے ولد بلخ کے باشندے نہیں تھے بلکہ دریائے آمو کے شمال میں جسے آج کل تاجکستان کہا جاتا ہے، وخش نامی ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتے تھے۔ یہ بلخ کے ماتحت علاقہ تھا (ان کے بیٹے کا یہ کہنا کہ وہ بلخ سے آئے ہیں ایسا ہی ہے جیسے آج کوئی امریکی یہ کہے کہ وہ نیویارک سے ہے۔ خواہ وہ نیویارک کے بالائی علاقے یا لانگ آئی لینڈ میں پیدا اور پرورش پایا ہو) مئیر کی تحقیق کی بدولت یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ بہائے ولد اور ان کے بیٹے نے کچھ وقت سمرقند میں گزارا جب ۱۲۱۲ء میں خوارزم شاہ نے شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ یوں فیہ مافیہ میں محاصرے کا قصہ درحقیقت مولانا رومیؒ کے بچپن کا سچا واقعہ ہے۔ گھمبیر ہوتی سیاسی صورت حال، کثیر جنگیں اور انتقامی کاروائیاں مزید برآں مشہور کلامی عالم فخر الدین رازی کی کامیابی جن کی شہرت بہائے ولد سے بڑھ گئی تھی (اس حقیقت نے ڈھلتی عمر کے مبلغ کو بظاہر پریشان کیا ہوگا) ان عوامل نے بہائے ولد کو خلافت کے مشرقی علاقوں کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر مغربی علاقوں کی جانب مائل کیا۔ یوں اس کی توضیح سیاسی تغیرات، پیشہ ورانہ مسابقت یا رقابت کا شاخسانہ کہہ کر کی جاسکتی ہے۔ تاہم آج بہا کی بلخ سے روانگی کی حتمی تاریخ کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بہا اپنی روزانہ یادداشتوں کے مطابق جو 'معارف' میں شامل ہیں، روایتی معنوں میں صوفی نہ تھے۔ انھیں صوفی سلسلے میں دیکھنے کی کوشش جو احمد غزالی (۱۱۲۶م) کی طرف لے جاتی ہے، بے سود ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ان کا مغرب کی طرف سفر ہموار نہیں رہا تھا جیسا کہ متاخر سوانح نگار بیان کرتے ہیں۔ بزرگ عالم دین کو خاصا عرصہ ادھر اُدھر مارے پھرنے اور طویل مشکلات کے بعد اناطولیہ میں ٹھہرنا نصیب ہوا۔ قونیہ کے سفر کی دل کش کہانیوں سے اچھا خاصا اختلاف کرنا پڑتا ہے جن کی تفصیلات سے اولیا پر لکھی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

تاہم ایک بات میں شک نہیں: بہائے ولد کے افکار اور ان کا بلاتردد معی کہنا یعنی خدا میرے دل ودماغ میں ہے، نہیں بلکہ ان کے جسم کے ہر حصے میں ہے۔ اس معی نے رومیؒ کے اعلیٰ روحانی تجربات کو واضح بیان کرنے میں گہرا اثر ڈالا۔ ایام جوانی میں ملکوں ملکوں بے قراری سے بھٹکنا مولانا رومیؒ کی فکری زندگی بالخصوص روحانی زندگی کا ایک نا ختم سفر ہے، خدا کی حضوری کی تلاش جس سے وہ کامل آگاہ تھے (تصوف کی فلسفیانہ اصطلاح استعمال کیے بغیر) پر اثر انداز ہوا۔ ان کا سفر درحقیقت کبھی ختم نہ ہوا۔ جیسا کہ ولیم چیٹک اپنی

دو تکمیلی کتابوں کے عنوانوں سے دِکھاتے ہیں۔ وہ کتابیں یہ ہیں:

1- The Sufi Path of Love

2- Not the Sufi Path of Knowledge

(مولانا رومیؒ اور ان کے دوست صدرالدین قونوی، شارح ابن عربی ومتنبیؒ کے درمیان بحثیں سننے کے قابل ہیں)

رومیؒ پورے نظامِ فکر کو چند مصرعوں میں سمونے کی صلاحیت سے مالا مال تھے۔ وہ عام فہم کہانیوں اور استعاروں کے ذریعے ارفع ترین تجربوں کو قابلِ فہم بنانے میں یدِطولی رکھتے تھے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مسلم ہندوستان کے فلسفی شاعر محمد اقبال ۱۹۱۰ء میں اپنی ڈائری (Stray Reflections No 37) میں بیان کرتے ہیں:

To explain the deepest truth of life in homely parables requires extra- ordinary genius.

یعنی زندگی کی گہری حقیقت کو عام فہم کہانیوں میں بیان کرنے کے لیے غیر معمولی قابلیت درکار ہوتی ہے وہ شیکسپیئر، مولانا رومیؒ اور عیسیٰؑ کو غالباً اسی غیر معمولی قابلیت کی حامل شخصیتیں سمجھتے ہیں۔

مولانا رومیؒ کا الٰہی تصورِ جمال وجلال جامع تھا۔ خوب صورتی اور عشق ایک ہاتھ پر، عظمت اور قوت دوسرے ہاتھ پر۔ ایک کا دوسرے کے بغیر کوئی تصور نہیں۔ یہ آفتاب کی مانند ہے: اس کی حدت برف کو پگھلاتی ہے، پھلوں کو پکاتی ہے لیکن اگر کوئی اس کے زیادہ قریب ہو جائے، تو آتش بہ کنار ہو جاتی ہے۔ اس آفتاب تک رسائی کے لیے علامتوں کے پردے ضروری ہیں۔ مولانا رومیؒ ایسی علامتوں کو زمین پر حقیر ترین اور غیر اہم ترین واقعات میں دیکھ سکتے تھے۔ ان کے لیے ہر چیز ایک نشان تھی۔ ان کی شاعری کو قرآن کی اس آیت پر مستقل غور سے ابھرتی ہوئی دیکھا جا سکتا ہے:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَ فِي أَنْفُسِهِمْ﴾ (فصلت ۵۳)

یعنی جلد ہم انھیں اپنی نشانیاں آفاق اور خود ان میں دِکھائیں گے

یہ حقیقت ذہن نشین کر کے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ کیوں جامیؒ (۱۴۹۲م) نے مثنوی کو 'قرآن در زبان فارسی' کہا تھا۔ مولانا رومیؒ کی تمام فکر کی قرآنی بنیاد بالخصوص مثنوی میں واضح ہے اور مثنوی کے گہرے مطالعہ سے یہ مزید پختہ ہو جاتی ہے۔ یہی بات مولانا رومیؒ کے نبی ﷺ کے ساتھ گہرے احترام و عشق کے حوالے سے صادق آتی ہے۔ ولولے سے بھرپور اشعار زیادہ تر اسی احترام و عشق سے پھوٹتے ہیں۔

جلال الدین رومیؒ اور شمس تبریزیؒ کے درمیان پہلی ملاقات کا قصہ ان کے خیال کے بہت اہم پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ انھیں روحانی آفتاب یعنی شمس کے زیرِ اثر پروان چڑھنا تھا۔ جب منفرد درویش شمس

نے مولوی جلال الدین سے پوچھا (جیسا کہ روایت کیا جاتا ہے) بایزید بسطامیؒ بڑے تھے یا محمدﷺ؟ مولانا رومیؒ بے ہوش ہوگئے تھے۔شمس کا سوال اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا کہ بایزید نے کہا تھا **سبحانی!** جب کہ نبیﷺ نے تسلیم کیا تھا کہ 'ہم تیری تعریف وثنا کما حقہ بیان نہیں کر سکتے!' اس تضاد نے شاید رومیؒ کی آنکھیں اس تضاد کی طرف کھول دیں جو تمام تاریخ مذاہب میں موجود ہے۔مثلاً روحانی تجربہ، جس کا مقصد کامل فنا فی اللہ ہونا ہے، حتیٰ کہ عبدیت اور پیغمبرانہ افکار کے درمیان تضاد۔پیغمبر ہر لمحہ باخبر ہوتا ہے کہ وہ خدا کا بندہ ہے، مخلوق ہے جو اعلیٰ ترین رحمتوں کے وقت قاب قوسین تک پہنچ سکتا ہے۔(سورہ ۵۳:۹) یہ صحو وسکر، اولیا کے قرب النوافل اور پیغمبروں کے قرب الفرائض، مستی اور 'بلوغت ثانی'، خدا کے اتھاہ سمندر میں اپنے آپ کو گم کرنے یا روح کو گم کرنے اور خیرہ کر دینے والے نور میں آسمانی سفر کبریا کے درمیان تضاد ہے۔مولانا رومیؒ کو اعلیٰ ترین مذہبی تجربے کے دونوں پہلوؤں کے درمیان زندگی کرنا تھی۔

رومیؒ کی شاعری میں ہمیں بہت سے ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے رومیؒ کی شعری تشکیل ہوتی ہے۔ وہ شاعری گانے اور تمثیل کاری کرنے کی بات کرتے ہیں گویا وہ دوست کی بانسری ہوں۔ان کا دعویٰ ہے کہ وہ مستقل دعاؤں سے خود سراپا دعا بن چکے ہیں۔انھیں ان لوگوں پر غصہ آتا ہے جو انھیں تنگ کرتے ہیں اور ان کی شاعری کی صحیح تفہیم نہیں کرتے، یا ان کے تصورات کو ڈرامائی اشعار میں ترجمہ کرتے ہیں۔رومیؒ جو بھی کہتے ہیں، بہت توانا ہے۔تاہم جو وہ کہتے ہیں وہ اپنے حقیقی احساسات کو تمثیلوں کے رنگا رنگ پردوں میں چھپانے کی امید سے کہتے ہیں، مثال کے لیے مثنوی کا آغاز ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

ابدی محبوب کی چاہت جس نے شمس الدین کے روپ میں مولانا رومیؒ پر اپنے آپ کو ظاہر کیا، بعد ازاں مختلف ذرائع سے صلاح الدین زرکوب اور پھر ان کے مرید حسام الدین چلپی کے ذریعے اظہار کیا، مولانا رومیؒ زلیخا کی کہانی اختیار کرتے ہیں۔زلیخا عشق کی ماری عورت ہے۔اس کا ہر لفظ یوسف کی طرف بغیر اس کا نام لیے اشارہ کرتا ہے۔وہ جو بھی کہتی، وہ دوست کی طرف اشارہ تھا۔اس کے ہر لفظ سے مراد وہ تھا۔وہ اس کا نام احتیاط سے دوسروں سے خفیہ رکھتی تھی۔بوقت بھوک وہ اس کی خوراک تھا۔سرما میں اس کے لیے گرم کوٹ تھا۔مثنوی کے چھٹے دفتر کے بالکل آخر میں یہ عظیم منظر جو غالباً مولانا رومیؒ کی وفات سے چند ہفتے پہلے لکھا گیا تھا، وہ ایک لمحے کے لیے شاعر کے دل میں جھانکنے کی اجازت دیتا ہے۔

زلیخا کے یوسف خوبرو سے قصۂ عشق کے پردے میں، جس کے لیے اس کے جمال کے مطابق فقط آئینہ ہی بطور تحفہ لایا جاسکتا ہے، رومیؒ خود اپنی زندگی کی کہانی کہتے ہیں۔وہ شمس کے آئینے میں تبدیل ہو چکے تھے۔آہ و بکا اور شمس کے نام کے مسلسل ذکر سے وہ صیقل ہو چکے تھے۔اس شمس کا آئینہ جو اپنے آپ کو دکھاتا ہے، جیسے وہ مثنوی کے شروع میں خود کہتے ہیں، آفاق میں بلکہ اس سے بھی زیادہ، سینکڑوں گنا زیادہ شان دار انداز میں، عاشق کی روح میں۔ این میری شمل، بون، ۲۰/اکتوبر ۱۹۹۱ء

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر شمل کو مدت العمر اسلامی علوم و معارف بالخصوص اسلام کی صوفی روایت بہت عزیز رہی۔اس حوالے سے ان کی دل چسپی کا اندازہ ان سے یادگار تصنیفی و تحقیقی کام سے لگایا جاسکتا ہے۔انھوں نے دسیوں کتابیں اور بے شمار مقالے لکھے۔فقط رومیات پر انگریزی اور جرمن زبانوں میں سولہ کتابیں اور سینتیس سے زاید مقالے لکھے۔رومیات کے حوالے سے ان کی شہرت کا حوالہ ان کی مذکورہ بالا انگریزی کتاب ہی ہے جس میں انھوں نے مولانا رومیؒ کے فکروفن کا بھرپور احاطہ کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) غلامی، ڈاکٹر معصومہ: مثنوی مولانا روم-اردو تراجم اور شروح کا مطالعہ۔لاہور: الفیصل ۔۲۰۱۲۔ص ۱۱

(۲) ایضاً ص ۳۰

(۳) دیوان جامع شمس تبریزی، سرودۂ مولانا جلال الدین رومی، ویراستار: مصطفیٰ زمانی نیا۔تہران ۔۱۳۷۴

(۴) تبسم، عبدالرشید: ملفوظات رومی۔لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔طبع اول ۱۹۵۴۔ص ۴

(۵) غلامی، ڈاکٹر معصومہ: مثنوی مولانا روم-اردو تراجم اور شروح کا مطالعہ۔لاہور: الفیصل ۔۲۰۱۲۔ص ۴۶

(۶) مجید، ڈاکٹر جاوید: نیر تاباں مولائے روم (مقدمہ ڈاکٹر درمش بلگر) لاہور: گوہر پبلیکیشنز ۲۰۱۷۔ص ۱۳۔۱۲

(۷) اختر الواسع، فرحت اللہ خاں: دانائے راز انا ماری شمل۔دہلی: مکتبہ جامعہ نئی دہلی ۔۲۰۰۳۔ص ۶

(8) Chaghatai, M.Ikram: Rhine to Indus-Collection of A. Schimmel's Writings.Lahore: Pakistan Writers Cooperative Society.2012

(9) Schimmel, Annemarie: Orient And Occident-My Life in East and West. Lahore: Iqbal Academy Pakistan. 2007.p 101

(10) Ibid.p 247

(11) Ibid.p 241

(12) Ibid.p100

(۱۳) مجید، ڈاکٹر جاوید: نیر تاباں مولائے روم۔لاہور: گوہر پبلیکیشنز (۲۰۱۷) ص ۷

(14) Schimmel, Annemarie: The Triumphal Sun- A Study of the Works of Jalaloddin Rumi(Foreword by Ehsan Yarshater) State University of New York Press.1993

(۱۵) لاہوتی، حسن: شکوہ شمس۔تہران: شرکت انتشارات علمی و فرہنگی ۔۱۳۷۰

(۱۶) مجید، ڈاکٹر جاوید: نیر تاباں مولائے روم۔لاہور: گوہر پبلیکیشنز (۲۰۱۷) ص ۸